باصر سلطان کاظمی کی شاعری میں ہجرت کا احساس

نبی احمد

Abstract:

Basir Sultan Kazmi Born in Pakistan in 1955, Basir studied and taught English at the Government College in Lahore. He did his MEd (1991) and MPhil (2000) at Manchester University, as well as a PGCE in English (1995). He was the news editor/reader for the BBC's Asian Programme (1990-91) and a literature adviser to the North-west Arts Board (1993-96). Basir's collections of Urdu poetry Mauj-e-Khayaal (1997) and Chaman Koi Bhi Ho (2008), a long playBisaat (1987) and Bisaat's translation The Chess Board (1997) have been published.Basir has also written extensively on the personality and poetry of his father Nasir Kazmi (1925-72), a famous Urdu poet. Basir has been awarded an MBE (2013) for services to literature as a poet. In this researcher article presented the study of overseas pakistani ghazal poet Basir Sultan kazmi, how he highlighted the feelings of migration in his Urdu Ghazal.

شاعر یا ادیب جس معاشرے میں پرورش پاتا ہے اس کے جذبات واحساسات بھی اسی معاشرے کے موافق ہوتے ہیں ۔ چاہیے وہ بعد میں کہیں اور جا بسے کسی دوسری تہذیب میں زندگی گزارے مگر اس کا جذباتی لگاؤ اسی تہذیب کے ساتھ ہی رہتا ہے وہ اسی تہذیب و معاشرت کو اپنی تخلیقات کا حصہ بناتا ہے ، اس کے اشعار میں وہی جذبات اور احساسات نمایاں ہوتے ہیں۔اس طرح پاکستانی شعرا جو بیرون ملک مقیم ہیں ۔انھوں نے وہاں کی سب چیزوں کو اپنا لیا مگر ان کے جذبات کی شدت اب بھی ویسی ہی ہے ۔ان کے اشعار میں اپنے ملک ، اپنے رشتوں اور اپنی زمین کے ساتھ جس شدید لگاؤ کا احساس ملتا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اگر چہ وہ وہاں کے ترقی یافتہ معاشرے میں شامل ہو گئے ہیں ، اور انھوں نے ان کی تہذیب و معاشرت کو بھی اپنا لیا ہے مگر دل اب

بھی اپنے وطن کے نام پر تڑپ اٹھتا ہے آج بھی انہیں رشتوں میں کشش محسوس ہوتی ہے، دوستوں کی یاد انہیں اپنی طرف بلاتی ہے۔اس طرح جب کوئی شاعر ادیب ایک ہجرت کرتا ہے تو ہجرت کے بعد اسے اپنے وطن کی یاد، دوست احباب کی محبت ،اپنی تہذیب ومعاشرت سے جڑے احساسات وجذبات کی کیفیت سے گزرتا ہے تو یہ ہجرت کا تجربہ اس کی تخلیق میں بھی در آتا ہے ۔یہاں اس مقالے میں بیرون ملک مقیم پاکستانی غزل گو شاعر باصر سلطان کاظمی کے کلام کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے کہ ان کے کلام میں ہجرت کا احساس کس طرح نمایاں ہوتا ہے ۔

باصر سلطان کاظمی کا شمار بھی ان شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے برطانیہ میں شعروادب روایت کو مستحکم کیا ہے ۔ ان شعرا کے حوالے سے ڈاکٹر شیر علی لکھتے ہیں:

> ''یہاں شعر و ادب کی روایت بھی بڑی مستحکم رہی ہے ۔ برطانیہ میں مقیم شاعروں اور ادیبوں نے اس ادبی روایت کے تسلسل اور استحکام میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے ۔ برطانیہ کی شعری روایت میں نظم،غزل اور دیگر اصناف کی اپنی ایک اہمیت ہے لیکن اپنی اثر آفرینی اور مقبولیت کے حوالے سے غزل یہاں کی اہم ترصنف سخن ہے''۔[۱]

باصر سلطان کاظمی ان شعرا میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں ۔انھوں نے برطانیہ میں جدید اردو غزل کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے ۔ باصر کاظمی کو ہجرت کا دکھ ورثے میں ملا ان کے والد ناصر کاظمی انبالہ سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے اور باصر کاظمی ۱۹۹۰ء میں برطانیہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہیں ۔ان کے دو شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں ۔''موج خیال'' اور ''چمن کوئی بھی ہو''۔

باصر کاظمی اپنی غزل میں بیرون ملک زندگی گزارنے والے ہم وطن لوگوں کے دکھ کو بھی محسوس کرتا ہے اور چونکہ وہ خود بھی اس تجربے سے براہ راست گزر چکا ہے وہ ان تجربات کو شاعری کے ذریعے یوں بیان کرتا ہے ۔

خط میں کیا کیا لکھوں ، یاد آتی ہے ہر بات پہ بات
یہی بہتر کہ اٹھا رکھوں ملاقات پہ بات
اپنی باتوں کے زمانے تو ہوا بُرد ہوئے
اب کیا کرتے ہیں ہم صورتِ حال پہ بات (۲)

بیرون ملک جا کر سب سے پہلا کام جو ہوتا ہے وہ گھر والوں کو اطلاع کرنا کہ خیریت سے پہنچ گیا ہوں، اب حالات کے ساتھ ساتھ جدید سہولیات آ گئی ہیں مگر ان شعرا کے ہاں خط لکھنے کی روایت ملتی ہے اور پھر خط اتنا تفصیل سے لکھا جاتا تھا کہ اک اک بات کھول کر بیان کی جاتی ،شہر کے موسم کا حال تک بھی بتایا جاتا تھا مگر یہاں شاعر وہ ساری باتیں لکھنے سے گریزاں ہے کیونکہ اسے ان باتوں کے ساتھ وابستہ یادیں پریشان کرتی ہیں اس لیے وہ ملاقات پہ ہی ساری باتیں کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ۔

بیرون ملک سے اکثر لوگ تلاش معاش کے لیے جاتے ہیں اور پھر وہاں جا کر جو کام بھی ملے خوشی سے کرتے ہیں ۔

وہ اور وقت تھے جب انتخاب ممکن تھا
کریں گے اہل ہنر کام اب ملے کچھ بھی (۲)
رہا ہمیشہ ہی سامان مختصر اپنا
مسافروں کی طرح ہم رہے جہاں بھی رہے (۳)

وہ لوگ جو اپنے ملک یا اپنے شہر میں کوئی کام نہیں کرتے یا انہیں ان کی پسند کا کام نہیں ملتا تو وہ اپنے معیار سے کم کام کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں وہی لوگ جب دوسرے ملک جاتے ہیں تو وہاں جو بھی کام ملے کر لیتے ہیں ۔ بہ طانیہ میں جہاں بہت سے تارکین وطن اور مختلف ترقی پذیر ممالک سے ایک کثیر تعداد محنت مزدوری کے لیے وہاں موجود ہے تو ایسے میں یہ لوگ صرف کام تلاش کرتے ہیں کام کی نوعیت ، کوئی بھی ہو بس کام ملے ، جس وقت ملے خوشی سے کرتے ہیں ۔

دیار غیر میں زندگی مسافروں ، خانہ بدوشوں کی طرح بسر کرنا پڑتی ہے، جہاں کام ملا وہیں بسیرا کر لیا اس لیے گھر کا سامان بھی مختصر رکھتے ہیں ، گھر تو ہوتا ہی نہیں ہے بس خاص ضرورت کی کچھ چیز بیگ میں رکھی ہوتی ہیں جہاں گئے بیگ اٹھایا اور چل دیئے ۔

باصر کاظمی کے نزدیک شاعر یا تخلیق کار کے لیے کوئی بھی ملک یا خطہ بھی نا مناسب نہیں ہے کیونکہ شاعر تو اپنی سوچ اور فکر کو معاشرے میں منتقل کرتا ہے ۔ وہ کہیں بھی بیٹھا ہو جیسے پھول کو کھلنے کے لیے مناسب آب و ہوا کی ضرورت ہے چمن یا کھیت سے مطلب نہیں ہوتا ۔

دل لگا لیتے ہیں اہل ِ دل، وطن کوئی بھی ہو
پھول کو کھلنے سے مطلب چمن کوئی بھی ہو (۴)

انسان کی فطری طور پر ذہنی ساخت ایسی ہے کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول سے مانوسیت پیدا کر لیتا ہے ۔ وہ چیزیں جو اسے عجیب محسوس ہوتی ہیں ، نئی اور انوکھی لگتی ہیں ۔ وہ ان سے آشنا ہو جاتا ہے اور اس کی اجنبیت ختم ہو جاتی ہے ۔ تخلیق کار ایک پھول کی مانند ہوتا ہے ۔ پھول کو کھلنے سے غرض ہوتی ہے چمن سے نہیں ۔ وہ کسی بھی چمن میں کھل سکتا ہے اس طرح تخلیق کار کا تخلیقی عمل بھی نہیں رکتا، چاہے وہ دنیا میں جہاں بھی چلا جائے وہ وہاں کے لوگوں کے احساسات وجذبات ، ان کی خوشیاں غم ، دکھ درد اور اپنی وارادت کا اظہار کرتا ہے ۔

یہاں نہ جینے کا وہ لطف ہے نہ مرنے کا
کہا تھا کس نے کہ آ کر رہو پرائی جگہ
کیے ہوئے ہے فراموش تو جسے باصرؔ
وہی ہے اصل میں تیرا مقام تیری جگہ
لاکھ آسائشیں پردیس مہیا کر دے
ہے غریب الوطنی پھر بھی غریب الوطنی

نہ کوئی ہم نوا میرا نہ ہم دم
غریبم شاعرم گوشہ نشینم(۵)

شاعر آسایشیوں اور تمام تر سہولیات کے باوجود بھی اس زندگی سے مطمئن نہیں ہے کہ وہاں اس کا کوئی غم بانٹنے والا نہیں ،اس کی خوشیوں میں شامل ہونے والا نہیں ہے ۔شاعر کو ان حالات میں وطن کی یاد جس شدت سے آتی ہے اور وہ پھر اپنی نقل مکانی کے اسباب تلاش کرنے لگتا ہے کہ آخر ہمیں کیوں اپنے ملک کو چھوڑنا پڑا تو اس نتیجے پر پہنچتا ہے۔

کرتے نہ ہم جو اہلِ وطن اپنا گھر خراب
ہوتے نہ یوں ہمارے جواں دربدر خراب
باغ اک ہم کو ملا تھا مگر اس کو افسوس
ہم نے جی بھر کے بگاڑا ہے سنوارا کم ہے
کہاں سیاستِ اغیار نے ہلاک کیا
ہمیں تو اپنے ہی افکار نے ہلاک کیا (۶)

باصر کاظمی کے نزدیک ہم خود اس بربادی کے ذمہ دار ہیں ۔وہ اپنے ملک کو ایک باغ سے تشبیہ دیتے ہیں کہ ہمیں وہ باغ ملا ہے ۔جس پر اگر ہم محنت کریں تو ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں اور پھر ہمیں تلاش معاش کے لیے دوسرے ممالک میں بے یارو مددگار ذلت نہ اٹھانا پڑے گی اور شاعر کے نزدیک اپنے باغ کو اجاڑنے والے ہم خود ہیں حکمرانوں پر الزام نہیں لگایا جا سکتا ۔ان کے نزدیک عوام کی مجموعی سوچ اور فکر نے ملک کو ترقی نہیں کرنے دی اور تلاش معاش کے لیے دوسرے ملکوں میں جانا پڑا۔

ہم کہ جو ہر ابر کو ابرِ کرم سمجھا کیے
آ گئے اس دیس میں اور دھوپ کو ترسا کیے
مگن ہوئے ہیں کسی اور ہی لگن میں لوگ
کہاں کھپائیں گے اب جان فکر وفن میں لوگ (۷)

باصر کاظمی اپنے بیرون ملک تلاش معاش کے لیے جانے والے بھائیوں کا ایک المیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں وہاں پر ابر کرم ہو گا جو وہاں پہنچتے ہی ان پر برسے گا اور سب مالا مال ہو جائیں گے مگر وہاں جا کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی اس مصروف دنیا کا حصہ بن چکے ہیں اور کام میں اتنے مگن ہو گئے کہ انہیں اس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ ایک عرصے سے انھوں نے سورج نہیں دیکھا وہاں یہ لوگ اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ انہیں سوچ وفکر کے لیے وقت نہیں ملتا کہ چند لمحے اپنے دل کی بات سن لیں ۔

بیاباں کی شکایت کیسی یارو
ہوا پُرخار اب تو گلستاں بھی
معلق ہو گئے باصرؔ فضا میں
زمیں چھوٹی تو روٹھا آسماں بھی
گلشن کی فضا میں بھی ہم آزاد کہاں تھے
صیاد سے کرتے جو تہِ دام شکایت (۸)

دنیا میں اتنی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئیں جس سے تمام بنیادی اقدار دم توڑنے لگیں اور دنیا گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر گئی اور تمام خطوں کے مسائل تقریباً یکساں ہو گئے ۔اسی لیے تو شاعر اب اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ غریب الوطنی کی شکایت بے جا ہے اب تو اپنا وطن بھی انہی مسائل سے دوچار ہے شاعر نے بیاباں، پُرخار، گلستان، آسمان، صیاد اور تہِ دام جیسی علامتیں استعمال کر کے عالمی منظر نامے پر سیاسی اور تہذیبی تبدیلیوں کی عکاسی کرنے کی کوشش ہے ۔

یہ شہر تمہارا مری بستی کے مقابل
اچھا ہے مگر صرف عمارات کی حد تک (۹)

شاعر ترقی یافتہ ممالک اور شہروں کی ترقی اور بلند و بالا عمارتوں کی تعریف کرتا ہے مگر اسے ان ملکوں اور شہروں میں انسانیت کا فقدان نظر آتا ہے ۔

پاکستان سے بیرون ملک جانے والے شعرا کے ہاں وہ مسائل و مشکلات یا انسانی زندگی کا تلخ منظر نامہ نہیں ہے جو تقسیم ہند کے بعد پاکستان آنے والے مہاجرین سے وابستہ ہے ۔مثلاً باصر کاظمی کو بیرون ملک میں بڑی شدت سے اس امر کا احساس ہوا کہ وقت کا میسر نہ آنا انسانی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے ۔اس برق رفتار زندگی میں مادی وسائل، تیز تر ذرائع ابلاغ ہوتے ہوئے بھی انسان کسی کے لیے وقت نہیں نکال پاتا اور نہ ہی اپنی ذات کے لیے، معیشت کی اس دوڑ نے انسان کو قدرتی مناظر کے حسن و خوبصورتی سے بھی دور کر دیا ہے، انسان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ دھوپ، برف باری اور سمندروں وغیرہ کے نظارے کر سکے ۔کیونکہ جو لوگ بیرون ملک مقیم ہیں وہ ایک مشین کی طرح دن رات کام کر رہے ہیں ان کا اپنوں سے دور رہنا ان کے وقت کی کمی کی وجہ سے ہے ورنہ ان کے پاس آج کی جدید دنیا میں اتنے وسائل ہیں جس میں وٹس آپ، فیس بک، انٹرنیٹ، موبائل فون وغیرہ جیسی سہولیات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنوں سے بات کر سکتے ہیں ان کو دیکھ سکتے ہیں مگر ان کا المیہ یہ ہے کہ ان کے پاس وقت نہیں ۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں سے تعلیم یافتہ اور ہنر مند لوگ جب بیرون ملک جاتے ہیں انہیں ان کے متعلقہ شعبے میں کام نہیں ملتا کوئی مناسب ملازمت نہیں ملتی جس کی وجہ سے انہیں ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جو وہ اپنے ملک میں رہتے ہوئے اپنے کسرِ شان سمجھتے تھے ۔مگر اب انہیں اس معاشرے میں رہنے کے لیے کوئی بھی کام کرنا

پڑتا ہے ۔ یہ ان لوگوں کا ایک دکھ بھی ہے کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایسے کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جنہیں کر کے انہیں خوشی نہیں ملتی اور یہ ایک تلخ حقیقت بھی ہے کہ بیرون ملک مقیم حضرات ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ۔

بیرون ملک جانے والے تگ ودو کر کے شہریت حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ دوسرے درجے کے شہری ہیں، وہ مہاجر ہیں، غریب الوطن ہیں ۔ان کے ہاں غریب الوطنی کا احساس برقرار رہتا ہے جس کو کم کرنے کے لیے شاعر دنیا کو گلوبل ویلج کے طور پر دیکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اب غریب الوطنی کی وہ صورت نہیں رہی انسان دنیا کے کسی بھی خطے یا ملک میں ہو وہ اپنے ملک اور گھر کے ساتھ منسلک رہتا ہے اس لیے غریب الوطنی کی وہ پہلی صورت اب باقی نہیں رہی ہے ۔انہیں بیرون ملک شناخت کا مسئلہ بھی درپیش ہے ۔ کیونکہ شاعر کا تعلق جس معاشرے سے ہے وہاں اس کی ایک شناخت ہے اس کی قومیت کے حوالے سے، اس کے پیشے کے حوالے سے سب لوگ اسے جانتے ہیں ۔مگر دیارِ غیر میں اس کی وہ ساری انفرادیت ختم ہو جاتی ہے کہ اس کی ذات کیا ہے، کس خاندان سے ہے وغیرہ، پھر شاعر کا تعلق پاکستان سے ہے یہاں اجتماعی زندگی کا نظام ہے لیکن وہاں انفرادی زندگی ہے ۔اس لیے کسی کو کسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ بیرون ملک مقیم تارکینِ وطن کے تمام مسائل وحالات جذبات اور کیفیات کا اظہار باصر کاظمی نے اپنی شاعری میں کیا ہے ۔

حوالہ جات:

۱۔ شیر علی، برطانیہ میں اُردو شاعری کی روایت، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو (غیر مطبوعہ)، لاہور: شعبۂ اُردو پنجاب
یونیورسٹی، ۲۰۱۳ء، ص: ۵۷

۲۔ باصر سلطان کاظمی، موجِ خیال، لاہور: جہانگیر بک ڈپو، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۸

۳۔ ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً، ص: ۱۱۹

۴۔ ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً، ص: ۱۲۴

۵۔ باصر سلطان کاظمی، چمن کوتی بھی ہو، لاہور: ص: ۳۵

۶۔ ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً، ص: ۳۸، ۸۹، ۱۰۵

۷۔ ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً، ص: ۴۱

۸۔ ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً، ص: ۴۸۔۴۹

۹۔ ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً، ص: ۵۶۔۸۰

۱۰۔ ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔ایضاً، ص: ۷۹